پشتونخوا میں مذہبی رُجعت پسندی اور ثقافتی وسیع المشربی

جمیل یوسفزئی*

The main theme of the article is to highlight the issue of religious harmony and tolerance from the period of Alexander, the Great. The article deals with the evolution of different religious and minority sects in the Pakistan borderland throughout history. It was the tolerant attitude of the local people due to which various religions flourished here such as Hinduism, Budhism, Zoroastrianism and Islam. The paper also analyzes that what were the factors which were responsible in the grooming of extremist elements among the Pakhtuns. It also traces the origin of Sunni Shia conflict among the Pakhtuns. The role of various Pakhtuns leaders and Ulema have been discussed to understand their role in all these development.

At the end the author tries to narrate the big powers' role in encouraging the phenomena of religious.extremism by mushrooming a network of madrassa belonged to a specific Muslim sect.

پشتونخوا زمانہ قدیم سے مختلف تہذیبوں کی آماجگاہ رہا ہے۔ داریوش سے لیکر فرنگیوں تک اِس خطہ سنگلاخ نے اقوام کے عروج و زوال کو دیکھا ہے۔ ایران قدیم کے نوشتے اور سکّے، اِس بات کی دلیل ہیں کہ دریائے سندھ تک کا علاقہ، ایرانیوں کا مشرقی سترابی(صوبہ) رہا ہے۔ چنانچہ ہنڈ عجائب گھر(صوابی) میں ایک سنگین نوشتہ اس حقیقت کی گواہی دے رہا ہے کہ ایرانیوں کے غلبے کے بعد سکندر اعظم نے شمالی پشتونخوا، میں باجوڑ، سوات اور صوابی پر یورشیں کیں۔ اُس زمانے میں پشاور اور پشکلاوتے (چارسدہ) اس سترابی کا پایہ تخت تھا۔ چنانچہ ایک مہم پشکلاوتے کی طرف بھی بھیجی گئی۔

---

* گورنمنٹ کالج شیوا، رزڑ، صوابی،خیبر پختونخوا

سکندر اعظم بہ ہزار دقت باجوڑ، سوات سے موجودہ ہنڈ کی طرف بڑھا اور پھر یہاں سے ٹیکسلا کی طرف روانہ ہوا۔ سکندر اعظم باجوڑ کی جنگ میں (جسے مساگا کہا جاتا تھا) زخمی ہوا۔ اور اس خطّہ خاک نے اُسے یقین دلا دیا کہ تم کوئی دیوتا نہیں ہو۔ کیونکہ اس کی افواج کا عقیدہ تھا کہ سکندر اعظم دیوتا کا بیٹا ہے اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

سکندر اعظم کی ترکتازوں کا علم ہمیں یونانی مؤرخین کی رودادوں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں یہاں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا اور تاریخ نویسی کی روایت ابھی جڑ نہیں پکڑ سکی تھی۔ سکندر آندھی کی طرح آیا اور بگولے کی طرح گیا۔ اس کے بعد سلیوکس مشرقی ممالک کا بادشاہ بنا، مگر ہندوستان میں ایک نئی طاقت شباب کی منزلیں طے کر رہی تھی۔ یہ طاقت چندرگپت موریہ کی تھی۔ چندرگپت نے سلیوکس کی حکومت کو اپنے پہلو میں کانٹے کی طرح سمجھا۔ بہت جلد اس نے باختر (بکٹریا) پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کیں۔ سلیوکس حملے کی تاب نہ لا کر صلح کے لیے کوشاں ہوا، ایک بڑے تاوان جنگ پر صلح ہوئی، سلیوکس کو پشتونخوا سے نکلنا پڑا،[۱] یوں چندرگپت موریہ کا غلبہ کابل تک کے علاقے پر ہو گیا۔ چندرگپت کے بعد بندوسار اور پھر اشوک برسراقتدار آیا۔ اشوک نے بدھ مت کو سرکاری یا شاہی مذہب کا درجہ دے دیا۔ شہباز گڑھی (مردان) اور مانسہرہ میں انکے سنگینی نوشتے آج بھی موجود ہیں۔ یوں برہمن مت پر بدھ مت کی تہہ چڑھ گئی۔ ہر کہیں بدھ مت کی خانقاہیں اور مدرسے وجود میں آئے۔ بدھ مت کے فروغ کے ساتھ گندھارا آرٹ وجود میں آیا۔ جو سنگ تراشی اور مجسمہ سازی کا مشہور مکتب فکر ہے۔ بدھ مت کے فروغ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ برہمن مت بالکل ختم ہو گیا[۲]۔ بلکہ بدھ مت کے دوش بدوش برہمن مت کی محفوظ پناہ گاہیں قائم رہیں۔ برہمن مت کا ثبوت ہمیں ضلع صوابی کے مقام اسوٹا پر دائرہ سنگین (Stone Circle) اور کوہ سکرہ میں مشہور زمانہ غار کشمیر سمچ (Kashmir Cavern) سے ملتا ہے۔

اسی سلسلہ کوہ میں سنگھاؤ سمچ پاکستان میں قدیم ترین انسانوں کا ٹھکانہ بتایا جاتا ہے۔ جس کی دریافت کا سہرا مرحوم پروفیسر احمد حسن دانی کے سر ہے۔ سنگھاؤ سمچ کے باشندوں کی بود و باش، شکاری زندگی پر تھی۔ تاہم ان کے مذہب کے متعلق محققین خاموش ہیں۔ البتہ وہ لوگ آگ جلانا جانتے تھے اور ان کے اوزار پتھر کے بنے ہوئے تھے۔[۳]

اشوک کے بعد کشان آ گئے، کشان خاندان کا سب سے مشہور بادشاہ کنشک تھا۔ جس کا دارالخلافہ پشاور تھا۔ کشانوں کے آخری بادشاہ نے برہمن مت قبول کیا۔ اور یوں ایک مرتبہ پھر گپتا خاندان کا مذہب پھر مروج ہوا[۴]۔ بدھ مت زوال پذیر ہوا، چینی سیاح ہیون سانگ نے سوات اور پشاور کا دورہ پیغمبر اسلام کے آخری ایام یعنی ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں کیا تھا۔ اُس نے بدھ مت کے زوال اور برہمن مت کی احیاء کا قصہ لکھا ہے۔ کشانوں نے پارتھیوں سے حکومت چھینی تھی۔ گندھارا آرٹ کا یہ عہد زرّیں مانا جاتا ہے۔ کشانوں کے بعد ایک مرتبہ پھر ایرانیوں نے دریائے سندھ تک کا علاقہ ہتھیا لیا۔ شاہ پور ساسانی نے پشاور (پسکپورا) کو ایران کا جنوبی سترابی قرار دیا۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ یزدگرد تھا۔ جو جنگ نہاوند میں عربوں سے شکست کھا کر فرار ہوا، اور بالآخر ایک پن چکی میں قتل ہوا۔

ساسانیوں کے بعد افتالی جنہیں عرب ہیاتلہ کہتے ہیں۔ پشتونخوا پر قابض ہو گئے، ان لوگوں کو سفید ہن بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے مشہور بادشاہ تورامانا اور مہراگلا تھے۔ جو اپنے مظالم کے لئے مشہور تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور قوم گرجار بھی آئی تھی۔ گرجار جسے آجکل گوجر کہا جاتا ہے دراصل ہفتالیوں کی رعایا تھے۔ گوجر اب بھی پشتونخوا اور پنجاب میں کثرت سے آباد ہیں۔ پشتونخوا میں یہ لوگ زیادہ تر مال مویشی پال کر گزارہ کر لیتے ہیں۔ تاہم ان کی اکثریت اب پشتونوں میں گھل مل گئی ہے۔ مردان میں گجر گڑھی، گجرات اور گوجرانوالہ ان لوگوں کے ناموں سے آباد ہیں۔ اگرچہ اب ان بستیوں میں گجروں کی تعداد کم ہوگئی ہے[۵]۔ ساسانیوں کے بعد کابل، ننگرہار اور جلال آباد پر برہمنوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس زمانے میں کابل کے حاکم رتبیل کہلاتے تھے۔ رتبیل ہندی لفظ رتھ پال ہے۔ جسے عربوں نے اپنے لہجے میں رتبیل بنا دیا ہے۔ رتبیلوں کی حکومت کابل سے لیکر دریائے سندھ اور ڈیرہ جات تک پھیلی ہوئی تھی۔

۶۶۴ء میں مھلب بن ابی صفرہ نے ملتان، بنوں اور چھوٹا لاہور پر حملہ کیا۔ یہ حملہ محدود نوعیت کا تھا۔ پشاور کے قریب اصحاب بابا کی قبر اسی حملے کی یادگار ہے۔ کابل کے رتھ پال در اصل وہی لوگ تھے جن سے بعد میں امیر سبکتگین اور محمود غزنوی کی جنگیں ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ رتھ پالوں کا سرمائی دارالخلافہ چھوٹا لاہور تھا۔ جسکے پاس ھنڈ ایک اہم گزرگاہ تھا[۶]۔ ھنڈ کے مقام پر کشانوں کے

عظیم قلعے کی بنیادیں، اب بھی اس مقام کی اہمیت کی گواہی دے رہی ہیں۔ اسی مقام سے سکندر اعظم نے دریائے سندھ کو عبور کیا تھا۔ نیز اس قلعہ کی سیر دربار اکبری کے مورخ ابو الفضل نے بھی کی تھی۔

چونکہ ہندوؤں میں تاریخ لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ اس لئے اس علاقے کی تاریخ پر اخفاء کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ امیر سبکتگین کے اقتدار میں آنے کی وجہ سے افغان قبائل کا کردار سامنے آجاتا تھا ہے۔ سبکتگین نے افغانوں کی مدد سے رتھ پالوں کو کابل اور ننگرہار سے نکال باہر کیا۔ اسکے بعد محمود غزنوی برسراقتدار آیا۔ محمود غزنوی نے نہ صرف چھوٹا لاہور اور سوات کو فتح کیا بلکہ بڑھ کر سومنات، ملتان اور پنجاب کے لاہور پر بھی قبضہ کیا۔ پنجاب کا لاہور اس زمانے میں شہرت کا حامل نہیں تھا۔ بلکہ ملتان کے مضافات میں شمار ہوتا تھا۔ دریائے سندھ کے راستے لاہور کا شاہی خاندان، یہاں سے نقل مکانی کر کے نندانہ پہنچا۔ پھر کچھ خاندانی لوگ لاہور گئے اور کچھ نے کشمیر کے پنڈتوں کے ہاں پناہ لی۔

سلطان محمود غزنوی ایک سنّی المذاہب ترک تھا۔ وہ شیعوں اور باطنیہ کا مخالف تھا۔ اُس نے ملتان کے پشتونوں کی گوشمالی کی۔ کیونکہ وہ فرقہ قرامطہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ملتان کے قرامطہ در اصل یمن کے داعیوں کے زیر اثر قرمطی بن گئے تھے۔ چونکہ ملتان پر پشتونوں کی حکومت تھی۔ یہیں سے شیعہ مذہب پشتونوں میں سرایت کر گیا۔ شیعوں کا اثر ملتان تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ سوات اور مردان میں بھی شیعہ مذہب کا رواج تھا۔ اخون درویزہ نے *تذکرۃ الابرار* میں لکھا ہے کہ سوات میں سب سے پہلے سید جلال الدین گنج بخاری نے شیعوں کا تدارک کیا۔ جلال الدین گنج بخاری سوات اور دیر میں ایک عرصہ تک رہے۔ پھر وہاں سے ملتان کی طرف آئے، ان کا مزار اُوچ (پاک پتن) میں ہے۔ جلال الدین گنج بخاری، محمود غزنوی کے حملوں سے چند سال پہلے اس خطہ میں وارد ہوئے تھے۔[۷]

پشتون مذہب کے معاملے میں وسیع المشرب واقع ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے ہندو اور سکھ پشتونوں کے درمیان رہتے چلے آئے ہیں۔ اقلیتوں کا مسئلہ پشتونوں کے لیے کبھی مسئلہ نہیں رہا البتہ پشتون آپس میں تبدیلی مذہب کے سخت مخالف ہیں۔ چنانچہ شیعہ اور احمدی فرقوں کو سنّی المذہب پشتون بہت کم برداشت کرتے ہیں۔ آگے ہم اس نقطہ پر بحث کریں گے، کہ یہ تنگ نظری پشتونوں میں کیونکر پیدا ہوئی؟ حالانکہ رتھ پالوں کے زمانے سے پشتون اور ہندو آپس میں بھائیوں کی

طرح رہ رہے تھے۔ آخر کیا وجہ تھی کہ ان میں عدم برداشت کا عنصر سرایت کر گیا۔

سلطان محمود غزنوی کے جانشین نالائق ثابت ہوئے۔ غور کے پہاڑوں میں آلِ شنب میں سے محمد ابن سام غوری نے ہندوستان کو فتح کیا۔ ان کی فوج میں بھی افغان قبائل شامل تھے۔ ہندوستان میں قطب الدین ایبک نے خاندان غلامان کی بنیاد ڈالی۔ غزنوی دور سے لیکر بابر کے حملوں تک پشتونخوا کے لوگ آزاد اور چھوٹے چھوٹے سرداروں کے ماتحت تھے۔ کابل پر ظہیر الدین محمد بابر کے چچا الغ بیگ کی حکومت تھی۔ الغ بیگ کی حکومت یوسفزئیوں کی وجہ سے قائم ہوئی تھی۔ چونکہ یوسفزئی قبیلہ آزاد اور قبائلی زندگی کا عادی تھا۔ اس لئے الغ بیگ کے ساتھ ان کے تعلقات زیادہ عرصے تک نہ نبھ سکے۔ الغ بیگ نے یوسفزئیوں کے تقریباً تمام جنگجوؤں کو دعوت کے بہانے بلا کر قتل کروا دیا۔ یوسفزئی قبیلہ ملک احمد شاہ کی قیادت میں کابل سے نکل کر دوابہ (چارسدہ) آ گیا۔ یہ واقعات۱۴۷۵ء کے لگ بھگ رونما ہوئے تھے۔ اس زمانے میں سلطان اویس سوات اور مردان تک کے علاقے کا حکمران تھا۔ سلطان اویس نسلاً ترک اور مذہباً شیعہ تھا۔ اگرچہ ترک سُنّی المذھب ہوتے ہیں۔ لیکن سوات میں ہمیں یہی ایک استثناء نظر آتی ہے۔ دوابہ میں یوسفزئیوں کے قیام کے دوران، سلطان سوات سے ان کے روابط بڑھ گئے۔ ملک احمد شاہ نے اپنی بہن سلطان اویس سے بیاہ دی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پشتونوں میں مذہبی رواداری کتنی تھی؟ اگر شیعہ سنّی کے درمیان برادرانہ تعلقات نہیں تھے تو ملک احمد شاہ جیسے سردار نے اپنی بہن کی شادی سلطان اویس سے کیوں کروائی؟۸

یوسفزئیوں کی توسیع پسندی کے سامنے سلطان اویس نہ جم سکا۔ سوات پر یوسفزئیوں کا قبضہ ہوا۔ اِسی دوران کابل کی حکومت پر بابر نے قبضہ کیا۔ باجوڑ، دیر اور بالائی سوات پر اس نے شورشیں شروع کر دیں۔ باجوڑ کے حاکم میر حیدر علی اور اس کی فوجوں کو تہس نہس کر دیا۔ مقتولوں کا کلّہ مینار بنوایا گیا۔ اس قتل عام کا جواز بابر یہ پیش کرتا ہے کہ میر حیدر علی کافر تھا۹۔ حالانکہ وہ مذہباً شیعہ تھا۔ چونکہ بابر متعصب سنّی المذہب تھا۔ اس لیے اس نے شہباز گڑھی کے مقام پر شہباز قلندر کے مزار کو مسمار کروا دیا۔ کیونکہ وہ شیعوں کا رہنما اور عالم تھا۔ اور اس کے مزار پر شیعوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اخوند درویزہ نے اپنی کتاب میں بابر کے اس اقدام کو سراہا ہے۔ اخوند درویزہ حضرت سید علی ترمذی کا مرید اور شیعوں کا سخت مخالف تھا۔ اخوند درویزہ کے ظہور کے ساتھ سنّی شیعہ تنازع شروع ہوا۔ اخوند درویزہ

سے پہلے بابر نے اِس مخالفت کی داغ بیل ڈالی تھی۔ حالانکہ بابر سے پہلے پشتون اِن مذہبی مناقشات اور عدم برداشت سے دور تھے۔

خوشحال خان خٹک اور اخوند درویزہ

سید علی ترمذی نسلاً سید اور لساناً فارسی بان تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت ہندوستان میں ہوئی۔ اپنے مُرشد کے ایماء پر وہ پشتونخوا چلے آئے۔ کوہستان روہ میں انہیں اخوند درویزہ کی شکل میں ایک جانباز مُریدمل گیا۔ خود سید علی ترمذی پر امن صوفی مرتاض تھے۔ لیکن ان کے مرید اخوند درویزہ متشدد مقلد اور مناظرہ باز عالم تھے۔ وہ سوات، مردان اور چارسدہ کے تمام علماء سے اُلجھ پڑے، اپنی کتاب میں اخوند درویزہ نے سوائے چندکے، سب مشائخ کو کافر، کاذب اور لعین کہا ہے۔ انھی دنوں بایزید اُرمڑ اپنے باطنی نظریات کے ساتھ میدان میں کود گئے۔ بایزید اُرمڑ اپنے آپ کو پیر روشن کہلواتا تھا جبکہ اخوند درویزہ نے اپنے پرانے استاد مُلا پاپینی کی شہہ پر اُسے پیر تاریک کا لقب دیا۔ شیعہ سُنّی کا یہ مذہبی مناقشہ در اصل کلچر کی جنگ تھی۔ با یزید اُرمڑ کے عقائد اسماعیلوں اور قرامطہ جیسے تھے۔ جس میں تناسخ کی آمیزش بھی تھی۔ پیر روشن موسیقی، سماع اور رقص جائز تصور کرتے تھے۔ جب کہ اخون درویزہ ان ثقافتی سرگرمیوں کو کفر کے مترادف سمجھتے تھے۔ ان مناقشوں کے نقصان بہت زیادہ تھے۔البتہ پشتو ادب میں اس تنازعہ کے کئی چیزوں کا اضافہ ہوا۔ با یزید انصاری(بعض مورخین ان کو انصارِ مدینہ سے منسوب کرتے ہیں۔ اس لیے اکثر کتابوں میں ان کو بایزید انصاری کے نام سے پکارا گیا ہے) نے پہلی پشتو کتاب *خیر البیان* لکھی۔ جس کے جواب میں اخوند درویزہ نے ''مخزن'' لکھی۔ بایزید روشن کے مُریدمُلا ارزانی نے تصوف کے مسائل کو منظوم کیا۔ یہی ارزانی خوشحال خان خٹک اور رحمان بابا کے پیش رو تھے۔

خوشحال خان خٹک مغلوں کے منصب دار، عالم، شاعر اور وسیع المشرب انسان تھے۔ وہ خود تفصیلی شیعہ تھے۔ اخوند درویزہ کی کتابوں اور تنگ نظریوں سے وہ نالاں تھے۔ ۱۶۶۹ء میں اپنی قید و بند کے بعد اُس نے سوات کا دورہ کیا۔ خوشحال خان خٹک کے دورہ کا مقصد مغلوں کے خلاف لشکر جمع کرنا تھا۔ مگر وہاں اخوند درویزہ کے پیروکاروں سے وہ مذہبی بحثوں میں الجھ گئے، اخوند درویزہ کے پوتے میاں میر سے ان کا مناظرہ ہوا۔ خوشحال خان خٹک نے یہ تمام واقعات ایک لمبی نظم *سوات نامہ*،

میں لکھے ہیں۔ اس نظم میں خوشحال خان خٹک نے اخوند درویزہ کے علم اور مسلک کا مذاق اڑایا ہے۔ خصوصاً شیعوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے پر، خوشحال خان خٹک نے ان کی زبردست گرفت کی ہے۔[۱۰]

اگرچہ خود خوشحال خان خٹک ہندوؤں کو پشتونوں سے کمتر گردانتے تھے۔ تاہم ان کی ساری زندگی میں ہمیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس میں مذہبی بنیاد پر اس نے کوئی اقدام کیا ہو۔ خود وہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا صاحب کے پاس چند جوگی آئے، مولانا نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ کسی نے پوچھا کہ یہ تو ہندو جوگی تھے آپ نے تعظیم کیوں دی؟ مولانا نے فرمایا تمام فرقوں کے ساتھ حسن سلوک روا رکھنا چاہیے[۱۱]۔ خود خوشحال خان خٹک کے مغل سرداروں، جن میں شیعہ، ہندو اور راجپوت شامل تھے۔ کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات تھے۔ بلکہ خوشحال خان ہندوؤں کی رسمِ ستی کو بہ نظر استحسان دیکھتے تھے۔

خوشحال خان خٹک کے زمانے میں بھاکو خان پشتونوں کے سردار تھے، بھاگو خان سے پہلے گجو خان، پشتونوں کے اولوالعزم سورماء تھے۔ مگر ان تمام خوانین کی زندگیوں میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا۔ جس سے اقلیتوں کی حق تلفی کا ادنی سا شائبہ ثابت ہو۔ پشتون فطرتاً وسیع المشرب قوم ہیں اور اِس کا ثبوت پشتونخوا میں ہزاروں کی تعداد میں اقلیتوں کی موجودگی ہے۔ سوات، بونیر اور تیراہ میں ہزاروں ہندو اور سکھ مارکیٹ پر چھائے ہوئے ہیں۔ پشاور کے مشہور کارخانو مارکیٹ میں سکھ اور ہندو تاجر بڑے آرام سے اپنے کاروبار میں مگن ہیں۔ جلال آباد اور کابل میں ہندوؤں اور سکھوں کے کاروبار کسی سے پوشیدہ نہیں۔ تیراہ جیسے علاقے میں ہندوؤں اور پشتونوں میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ تیراہ کے ہندو پشتون لباس پہنتے ہیں۔ سر پر پگڑی اور ہاتھ میں کلاشنکوف لیکر چلتے ہیں۔ نہ کبھی پشتونوں نے ان کو اپنے سے کم تر جانا ہے نہ ان کو ستایا ہے اور نہ ہندوؤں کو اپنے پشتون بھائیوں سے کبھی کوئی شکایت رہی ہے۔

سکھا شاہی

پشتونوں کی آپس کی خانہ جنگیوں سے درانی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ سدوزئیوں کی جگہ بارک زئی آ گئے، تخت لاہور پر شاطر رنجیت سنگھ نمودار ہوا، اس نے بڑی چالاکی سے پشاور کے امیروں کو اپنے شیشے میں اُتار لیا۔ خوانین پشاور کی غداری کے باوجود، پشتونوں نے سخت مزاحمت کی۔ درہ خیبر

تک رنجیت سنگھ کا راج ہو گیا، سکھوں نے پشاور اور جلال آباد میں ڈیرے جما لیے، باوجود اسکے کہ سکھوں نے پشتونوں کے میدانی علاقوں کو تاراج کیا تھا پشتونوں نے سکھوں سے میدان جنگ کے سوا کبھی کوئی تعرض نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک پشتونخوا میں سکھ کافی تعداد میں آباد ہیں۔

عہد انگلشیہ

سکھوں کے زوال کے ساتھ، انگریزوں نے پشتونخوا میں دلچسپی لینی شروع کی، انگریز روس کے توسیع پسندانہ عزائم سے خائف تھے۔ سکھوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر وہ پشاور تک آ گئے، افغانستان میں پے در پے شکستوں سے مایوس ہو کر، انگریزوں نے پشاور کو اپنا مستقر بنا لیا اور افغانستان میں اپنی سیاسی چالیں چلاتے رہے۔ انگریزوں کے پورے دور میں ہمیں اقلیتوں کی حق تلفی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ پشتونوں اور انگریزوں کے درمیان کشمکش جاری رہی۔ اکا دکا واقعات انگریزوں کے ساتھ پیش آئے، لیکن ان واقعات کے پس پردہ، قبائلیوں کا جذبہ حرّیت کارفرما تھا۔ کوہاٹ میں مس ایلس کا اغوا اور پشاور میں انگریز آفیسر کا قتل ذاتی انتقام کا نتیجہ تھا۔

انگریزوں سے آزادی ملنے کے بعد قائداعظم نے تمام شہریوں کے حقوق کو یکساں قرار دیا۔ سرخ پوش قیادت کانگرس کی سیاست میں رنگ گئی، اس وجہ سے ہندوؤں کا آنا جانا آزادانہ تھا۔ پنڈت نہرو نے خیبر، پشاور اور سوات کا دورہ کیا۔ سبھاش چندر بوس پشتونوں کی مدد سے افغانستان فرار ہوا تھا۔ غلہ ڈھیر تحریک ہندوؤں کی تحریک تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوؤں کو یہاں کتنی آزادی تھی۔ ہری کشن کو گولی چلانے کی پاداش میں پھانسی ہوئی۔ ہری کشن غلہ ڈھیر (مردان) کا سپوت تھا۔

طالبان حکومت

۱۹۸۰ء میں روس افغانستان تک آ گیا۔ جنرل ضیاء الحق نے سعودی عرب اور امریکہ کی مدد سے مجاہدین کو تیار کیا۔ مجاہدین کے بارہ دھڑے تھے۔ جن پر مغرب کو ناز تھا۔ کیونکہ وہ روس جیسی طاقت سے نبرد آزما تھے۔ جیسے ہی یہ جنگ گوربا چوف کے اعلان کے ساتھ اختتام کو پہنچی، امریکہ نے اِس خطہ کو بھلا دیا۔ نجیب حکومت مجاہدین کے باقیات کا مقابلہ نہ کر سکی۔ طالبان افغانستان پر قابض ہو گئے، لیکن اپنی متشددانہ حکمت عملیوں کی وجہ سے انہوں نے اقلیتوں پر کچھ پابندیاں لگائیں۔ حالانکہ اسلام میں پابندیوں کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ۱۴سو سالہ تاریخ میں اگر اکا دکا کوئی واقعہ ہو۔ وہ مملکت

چلانے کے لئے کوئی رہنما اصول نہیں بن سکتا۔ طالبان سعودی عرب والا اسلام (جس میں ثقافت کا تصور نہ ہو) رائج کروانا چاہتے تھے۔

اب بھی جو جنگ ہو رہی ہے۔ یہ مذہب سے زیادہ ثقافتی اہمیت کی جنگ ہے۔ طالبان کی سخت گیری کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر اخوند درویزہ اور بایزید روشن کی یاد تازہ ہوگئی ہے۔ طالبان مزارات، عرس، میلا اور تفریحات کے مخالف ہیں۔ جبکہ عوام کی اکثریت ثقافت و روایات کی دلدادہ ہے۔

تحریک طالبان سے پہلے پشتونخوا میں خصوصاً پشاور، مردان اور صوابی میں تحریک جہاد چلی تھی۔ اس تحریک کے روح و رواں سید احمد شہید بریلوی تھے۔ سید احمد شہید ۱۸۲۴ء میں مردان وارد ہوئے، اس زمانے میں مردان کی آبادی کم تھی۔ سکھوں کے خلاف قبائلی جنگ جاری تھی جس کی قیادت سید اکبر شاہ ساکن ستھانا کر رہے تھے۔ سید احمد شہید کے خلوص کو دیکھ کر، سید اکبر شاہ اپنے غازیوں سمیت، ان کے لشکر میں شامل ہوئے۔ ۱۸۲۶ء تحریک جہاد کے علمبرداروں کا پشاور پر قبضہ ہوا۔ باقاعدہ عُشر کے لیے عمّال کی تقرّری ہوئی۔ چونکہ یوسفزئی کسی بادشاہ یا حاکم کی رعیت کبھی نہیں رہے اس لیے سید احمد شہید کی امارت کے خلاف بغاوت ہوئی۔ ۱۸۲۷ء میں ان کے تمام عمال کو شہید کیا گیا۔ سید صاحب دل برداشتہ ہوکر پنجتار (صوابی) سے براستہ تورغر بالا کوٹ چلے گئے۔ جہاں ۱۸۳۱ء میں سکھا شاہی فوج نے ان کو ساتھیوں سمیت شہید کر دیا[۱۲]۔ سید صاحب نے جو غلطی کی تھی، طالبان وہی غلطی دہرا رہے ہیں۔ سید صاحب متشدد اسلام پسند تھے، وہ رسوم و روایات کے مخالف تھے یہی کچھ طالبان کروا رہے ہیں۔ دراصل ان دونوں تحریکوں کے سوتے سعودی عرب سے پھوٹے ہیں۔ سعودی عرب والے فقہ حنبلی کے ماننے والے ہیں جبکہ پشتونخوا کے باسی امام ابو حنیفہ کے پیروکار ہیں۔ امام حنیفہ کے ہاں رخصت پائی جاتی ہے۔ جبکہ حنابلہ عزیمت کے قائل ہیں۔

اس جدال و قتال کا خمیازہ پشتون قوم بھگت رہی ہے۔ اگرچہ اس لڑائی کا آغاز ضیاء الحق نے امریکہ کی ایماء پر کیا تھا۔ مگر اب یہ ایسی بھیانک روپ دھار گئی ہے۔ کہ مزار، جنازہ، کلیسا اور گوردوارہ تک محفوظ نہیں۔ پشتونوں کی ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ تعلیم و ترقی رک گئی۔ انجام یا اختتام کسی کو معلوم نہیں۔ ایسے میں پشتون کیونکر اقلیتوں کا تحفظ یقینی بنا سکتے ہیں؟ اگرچہ حالات غیر یقینی ہیں۔ تاہم اُمید کا دامن چھوڑنا، مایوسی اور مردانگی کے خلاف ہے۔ بقول خوشحال خان خٹک

کہ زمانہ دے دزمری پر خُلہ کشی ورکا
دزمری پہ خُلہ کشی مہ بائیلہ ھمت

ترجمہ: اگر زمانہ (حالات) تجھے دہانہ شیر میں بٹھا دے تب بھی ہمت نہ ہارنا، کیونکہ مشکل حالات کا مقابلہ شیوہ مردانگی ہے۔

حوالہ جات

۱- کیرو، سر اولف، پٹھان، اردو ترجمہ محبوب علی، پشاور، پشتو اکیڈیمی، ۱۹۶۷ء، ص۹۷۔
۲- عبدالغنی خواجہ، شاردا، دیری ناگ میرپور آزاد کشمیر، جولائی ۲۰۰۹ء، ص ۲۱۲۔
۳- حسن، سبط، پاکستان میں تہذیب کاارتقاء، لاہور، سنگ میل پبلکیشنز، ۱۹۸۷ء، ص ۸۱۔
۴- کیرو، سراولف، پٹھان، اردو، محبوب علی، پشاور، پشتو اکیڈیمی، جولائی ۱۹۶۷ء، ص ۱۲۱۔
۵- ایضاً، ص۱۲۹۔
۶- ایضاً، ص ص ۱۴۶-۱۵۱۔
۷- درویزہ اخوند، تذکرۃ الابرار و الاشرار (فارسی)، سرحد، دارالاشاعت، سن ندارد، ص ۱۰۸۔
۸- خان، روشن، تواریخ حافظ رحمت خانی (اردو)، پشاور، پشتو اکیڈیمی، ۱۹۷۷ء، ص ص ۹۰-۱۰۰۔
۹- ارسکن، ولیم، بابر اور ان کا عہد (اردو)، حسین انور، لاہور، غلام علی اینڈ سنز ۱۶۹۲ء، ص ۳۷۲۔
۱۰- رسا، سید رسول، ارمغان خوشحال، پشاور، یونیورسٹی بک ایجنسی، سن ندارد، ص ص ۱۰۱۸-۱۰۳۴۔
۱۱- ایضاً، ص ۷۰۷۔
۱۲- کیرو، سر اولف، پٹھان (اردو)، محبوب علی، پشاور، پشتو اکیڈیمی، جولائی ۱۹۶۷ء، ص ۴۲۵۔